Regd. No. A. 922
Telephone No. 39
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ [illegible]
ایک پرچہ دس نئے پیسہ
تاریخ اشاعت
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڑھ - ۲۲ دسمبر ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۴۸

خطبۂ تقسیم اسناد

پروفیسر محمد مجیب

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے جلسہ تقسیم اسناد منعقدہ ۲۰ دسمبر ۵۷ء کے موقع پر پروفیسر محمد مجیب صاحب شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دلی نے حسب ذیل خطبہ دیا

مجھے مسلم یونیورسٹی کے کونووکیشن کے موقعے پر خطبہ دینے کی عزت ناگہانی طور پر پیش کی گئی، اور اس محبت اور اصرار کے ساتھ کہ اسے قبول کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ اب مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ میں کیوں اس عزت افزائی کے قابل سمجھا گیا اور اپنی بے مائگی کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ علم کی قدر بڑھانے کا تو سوال ہی نہیں، میں علم کی جو بے قدری آج کل ہو رہی ہے اسے کم کرنے کی کوشش میں بھی شریک نہیں ہو سکا ہوں، اور نوجوانوں کے جو اخلاقی اور سماجی مسائل ہیں ان سے اس قدر دور ہوں کہ نصیحت یا رہنمائی کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ مسلم یونیورسٹی میں میرے بہت سے عزیزوں اور دوستوں نے تعلیم پائی میں صرف اس سے محروم نہیں رہا بلکہ ہندستان کی کسی یونیورسٹی کو اپنی مادر علمی نہیں کہہ سکتا اس وجہ سے اور بھی محسوس ہوتا ہے کہ میں آپ کو ایسے اہم اور نمایاں موقع پر مخاطب کرنے کا حقدار نہیں ہوں۔ اپنی طرف سے بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ایک قومی تعلیم گاہ میں قریب تیس سال گزارے ہیں، اور اس زمانے میں جو کچھ دیکھا ہے اور سنا ہے اس کی بدولت تعلیم کے مسائل کو سمجھنے لگا ہوں۔

دنیا میں بہت سی تعلیم گاہیں قائم ہوئی ہیں ان کا مقصد تعلیم دینا ہے اور یہ ایک بہت بڑی بات سمجھی جاتی ہے اگر وہ تعلیم دینے کا کوئی نیا اور رائج طریقوں سے کچھ بہتر طریقہ اختیار کرتی ہیں۔ مگر جیسے ہم اس شخص کو بہت مانتے ہیں جس کی زندگی اخلاقی یا تہذیبی قدروں کی خدمت کرنے کی وجہ سے ممتاز ہو ویسے ہی ہم ان تعلیم گاہوں کو بڑا مرتبہ دیتے ہیں جن کا مقصد صرف تعلیم دینا نہیں بلکہ خاص اخلاقی اور تہذیبی قدروں کی نمائندگی کرنا ہو۔ آپ کو اس کالج کی تاریخ معلوم ہے جو ترقی کرتے کرتے مسلم یونیورسٹی بن گیا، کالج کے بانی سرسید احمد خاں کے آپ وارث ہیں اور وراثت کی وجہ سے جو آسانیاں اور دشواریاں پیدا ہوئیں ان کا آپ کو علم ہے۔ میرے لئے گستاخی ہوگی اگر اس مجلس میں میں ان تمام باتوں کے بارے میں خاص معلومات رکھنے کا دعویٰ کروں۔ میں آپ کو اس وقت مبارکباد دینا چاہتا ہوں کہ آپ ایک شخصیت کے وارث ہیں جس نے اجتہاد کرنا اپنا فرض سمجھا، اور اس سلسلے سے آپ ایک خاص تہذیبی منصب کو ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں اس منصب نے آپ کو صرف ہندستان میں نہیں بلکہ ان تمام ملکوں میں جو مشرق اور مغرب کی کشمکش میں مبتلا ہیں ایک حیثیت دے دی ہے جو بہت کم تعلیم گاہوں کو نصیب ہوتی ہے۔

تعلیم گاہوں کا میدان عمل علم کی دنیا ہے، سیاست کی دنیا نہیں ہے، ان کو سیاسی مصلحتوں کا پابند ہونے کے بجائے حالات کو اس بلندی سے دیکھنا چاہئے جہاں سے زمانہ مصلحت کا پس منظر نہیں معلوم ہوتا بلکہ مصلحت کو خود زمانے کا پس منظر بنا دینا ممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ زندگی کے مسائل سے دور نہیں ہو جاتی ہیں، مسائل کو سمجھنے کی وہ استعداد پیدا کرتی ہیں جس کی بدولت جماعتوں کے وقتی جذبات اور اصل طبیعت عارضی کیفیتوں اور مستقل میلانات، سیاسی مصلحت اور

اخلاقی اصول، حکومت کی پالیسی اور قوم کے مفاد میں تمیز کی جا سکتی ہے اور ایسی عاقبت اندیشی کی عادت ڈالی جا سکتی ہے جس کے سامنے زمانہ سازی کا سر جھک جاتا ہے۔ تعلیم گاہ کے اس نصب العین کو سامنے رکھ کر آپ اپنے منصب پر غور کیجئے تو غالباً آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ آپ کا کام دین اور علم کے تصورات، مذہب اور سیاست کے مقاصد، نئی اور پرانی معاشرتی روایات کے درمیان مفاہمت اور ہم آہنگی کی نئی نئی کیفیتیں پیدا کرنا ہے۔ اسے میرا قصور نہ ٹھہرائیے اگر آپ کو یہ تینوں عنوان بہت پامال معلوم ہوں۔ یہ پامال اس لئے نہیں ہیں کہ ان پر بہت غور کیا جا چکا ہے اور اتنے خیالات ظاہر کئے جا چکے ہیں کہ اب ان پر نئی غور فکر کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ دراصل بیج ہیں جنہیں تعلیم گاہوں نے اپنے کھیت میں بونے کے بجائے راستے میں بکھیر دیا، انہیں بہت سے جاہلوں نے اپنے پیروں سے کچلا ہے۔ مگر یہ اب بھی بیج ہیں اور جب بھی بوئے جائیں گے پھوٹیں گے، پھولیں گے، ان سے پودے نکلیں گے، اور ان پودوں سے نئے بیج زندگی کی تازہ قوت لیکر پیدا ہوں گے۔

دین اور علم کی ہم آہنگی کا مضمون صرف پامال نہیں ہے اس کا ذکر کرنے والا قدامت پسند کہلاتا ہے اور آجکل پڑھے لکھے آدمی پر اس سے زیادہ سخت شکن الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ الزام طالب علم غصے میں ایک دوسرے پر لگاتے ہیں، اس لئے کہ اسے علم سے اور ثبوت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یہ الزام استاد ایک دوسرے پر لگاتے ہیں اس لئے کہ اسے ثابت کرنے کی دلیلیں چھپی چھپائی مل جاتی ہیں۔ مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ علم اور دین کا مستقبل ایسی الزام بازی کے نتیجے پر منحصر نہیں ہے، قدامت پسندی اپنے اور ترقی پسندی اپنے رنگ دکھاتی رہی ہے، مگر اس کی وجہ سے حق کی جستجو میں فرق نہیں آیا ہے اور انسانیت کے دل سے حق کی تڑپ مٹائی نہیں جا سکی ہے۔

قدامت پسندی کے الزام سے صرف تعلیم یافتہ آدمی نہیں بلکہ یونیورسٹیاں بھی بچنا چاہتی ہیں، ہر جگہ نئے کورس جاری ہو رہے ہیں، نئے نصاب بن رہے ہیں، تعلیم کو روزگار کی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کے لئے کسی ایک علم یا فن میں ایسی مہارت پیدا کرائی جاتی ہے کہ انسان کا ذہن اس میں بند ہو جاتا ہے یا کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات دماغ کے اندر بھر دینے کے لئے مختلف علوم کے ایسے مرکب بنائے جاتے ہیں کہ آدمی کسی علم کی بھی خدمت کرنے کے قابل نہیں بن پاتا۔ ہمارے یہاں کی تعلیمی ترقی پسندی کا محرک وہی مغربی دنیا ہے جہاں پسماندہ قوموں کی سرپرستی کے بے پناہ منصوبے بنائے جاتے ہیں اور ساتھ ہی مہلک سے مہلک جنگ کے آلات تیار کر سکنا ترقی کا معیار بن گیا ہے، جہاں انسانیت اور تہذیب کی وہی کشتی جسے کھے کو سب کنارے لگانا چاہتے ہیں، طوفانوں کی گرج اور ہواؤں کی وجہ سے ہر وقت ڈوبتی نظر آتی ہے۔ میں نے دین کا ذکر کرکے اپنے آپ کو قدامت پسند کہلانے کے خطرے میں ضرور ڈالا ہے، لیکن ہم نئے انداز کی جہالت اور تہذیب نئی قسم کی وحشت پیدا کرنے لگے اور ترقی کی روشنی میں جہنم کی آنچوں کا اثر آ جائے تو یہ کوئی قصور نہ ہوگا اگر آدمی دنیا سے منہ موڑ کر سکون کے ساتھ تاروں سے دو چار باتیں کرنا چاہے، اور دوسروں کی جلائی ہوئی ترقی پسندی کی روشنی سے بچ کر اپنی آنکھوں سے اپنا مقام تلاش کرے۔

تاروں سے باتیں کرنے کی خواہش نئی نہیں ہے۔ پیٹ بھرنے کی خواہش سے کچھ زیادہ پرانی ہے۔ آدمی انسان تبھی سے کہلایا جب سے اس کے دل میں قدرت کی کیفیتوں اور وجود کے امکانات کا احساس پیدا ہوا اور اس نے سمجھا کہ اس کی زندگی ایک راز ہے جس کی تہ تک وہ پہنچ نہ سکا تو آوارہ اور بدحال حیوان رہے گا۔ تاریخ کے ہر دور میں اور انسانوں کی ہر جماعت میں اس راز کی جو تشریح کی گئی ہے اسے ہم کسی مذہب کا نام دیتے ہیں اور اس ابدی حقیقت کو جو ہر مذہب کی روح ہے، دین کہا گیا ہے۔ ابدی حقیقت کی ظاہری اور بدلنے والی شکلیں شریعتیں ہیں ان کا تعلق تاریخ اور جغرافیہ، طبیعتوں اور حادثات سے ہے، یہ نام ہیں اور زبانیں ہیں اور لباس ہیں اور جھنڈے ہیں، آدمی ان کے باوجود آدمی رہا ہے، دین ان کے باوجود دین رہا ہے۔ شریعت مذہبوں میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہے۔ دین دار کے لئے ہمیشہ سے وہی ایک حکم ہے کہ

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اس وقت دستور کے مطابق مسلم یونیورسٹی، ہندو یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسی تعلیم گاہیں بھی مذہب کے معاملے میں پوری آزادی رکھتی ہیں وہ چاہیں تو دین کے وجود سے انکار کر سکتی ہیں، چاہیں تو اسے ایک بنیادی حیثیت دے

(باقی ص ۱۰ پر دیکھئے)

ہماری زبان

۲۲ دسمبر ۱۹۵۷ء

ہندی کے نادان دوست اور اردو کانفرنس

دہلی پردیش کے ہندی سمیلن میں کچھ ہندی کے حامیوں نے عنقریب ہونے والی اردو کانفرنس کے خلاف بہت زہر اگلا ہے۔ انھیں اپنے خیالات کے اظہار کا پورا حق ہے لیکن انھیں غلط بیانی اور دھاندلی کا حق نہیں ہے۔ انھوں نے جب یہ کہا کہ مجوزہ اردو کانفرنس کا مقصد ہندی کی ترقی کو روکنا اور ہندوستان کی وحدت کو مجروح کرنا ہے، تو انھوں نے ہندی اور ہندوستان دونوں کے ساتھ کھلی ہوئی بے انصافی کی اور دنیا پر اپنی تنگ نظری اور تعصب کو واضح کر دیا۔ ہندی نہ صرف ہندوستان کی قومی زبانوں میں سے ہے بلکہ ملک کی سرکاری زبان ہے اور کئی ریاستوں میں بھی اسے سرکاری حیثیت حاصل ہے۔ کروڑوں ہندوستانی یہ زبان بولتے ہیں اس کا ایک شاندار ادب ہے۔ یہ زبان اتنی گئی گزری نہیں کہ اپنی فطری صلاحیت اور مقبولیت کے سہارے ترقی نہ کرے اور دوسری زبانوں کو پامال کر کے ہی آگے بڑھ سکے۔ کوئی زبان کسی دوسری زبان کا حق چھین کر ترقی نہیں کر سکتی وہ اپنے بل بوتے پر زندہ رہتی ہے اور پروان چڑھتی ہے۔ ہندی ہو یا اردو یا کوئی اور زبان ہو ہم کسی زبان کی ترقی کو روکنے کے مخالف ہیں۔ ہم ہر زبان کے ساتھ انصاف چاہتے ہیں۔ اگر دہلی، اترپردیش اور بہار میں اردو کو بھی سرکاری یا علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کے یہ معنی کیسے ہو سکتے ہیں کہ ہندی کو نقصان پہنچے گا یا ہندی کی ترقی رک جائے گی۔ اس کے معنی تو صرف یہ ہیں کہ اردو بولنے والوں کو بھی ملک کی ترقی کے کاموں میں حصہ لینے کا موقع ملے گا۔ ان کے لئے بھی تعلیم کی سہولتیں ہوں گی۔ حکومت کے قوانین ان کی زبان میں بھی شائع ہوں گے اردو جاننے کی وجہ سے انھیں روزمرہ کے کاموں میں کسی مشکل یا پریشانی کا سامنا نہ ہوگا اور وہ اپنے ادب کے ذریعہ سے اپنی شخصیت کی صحیح تعمیر کر کے ملک کی ترقی میں مدد دے سکیں گے۔ اردو والے اگر مطمئن ہوں گے۔ اگر ان کی افسردگی یا پریشانی یا بے اطمینانی دور ہو جائے گی تو ملک کی وحدت میں ترقی ہوگی نہ کہ اس میں فرق آئے گا۔ ظاہر ہے آج بھی ہندوستان میں بہت سی زبانیں رائج ہیں ان کی وجہ سے ملک کی وحدت تو ختم نہیں ہوتی۔ ان کی وجہ سے قومی یگانگت کا احساس تو زائل نہیں ہوتا۔ اگر اردو کو بھی ان علاقوں میں جہاں اردو بولنے والے معقول تعداد میں ہیں، سرکاری طور پر تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے ملک کی وحدت پر اچھا اثر پڑنے کا امکان ہے۔ اس وحدت کو خطرہ کیسے لاحق ہو سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندی کے ان نادان دوستوں کے ذہن میں ملک کی وحدت کا جو تصور ہے وہ مشترک تہذیب کے اس تصور سے مختلف ہے جس پر ہمارے دستور کی مہر ہے۔ مشترک تہذیب کے تصور میں مختلف زبانوں کے پھلنے پھولنے اور ایک دوسرے پر اثرانداز ہونے اور مل جل کر ہندوستانی قومیت کی تشکیل کرنے کا جذبہ ہے۔ کچھ ہندی کے نادان دوست شاید مشترک تہذیب کے تصور کو اپنا نہیں سکے ہیں۔ اس وجہ سے جب بھی کسی زبان کی ترقی اور اس کی اہمیت کے تسلیم کرنے کا سوال آتا ہے تو ہندوستان کی وحدت کے یہ ٹھیکے دار اسے اپنی چودھراہٹ پر ایک ضرب سمجھتے ہیں۔ یہی تنگ نظری ہے جس کی وجہ سے ہمارے ملک کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں۔ اس تنگ نظری کو دور کرنا اور ہر زبان کو اس کا جائز حق دلانا ہر سچے ہندوستانی کا فرض ہے۔

جہاں تک دہلی میں ہونے والی اردو کانفرنس کا تعلق ہے، ہمیں خوشی ہے کہ اس کے انتظامات نہایت تیزی سے ہو رہے ہیں اس کی استقبالیہ کمیٹی میں دہلی کے شہریوں کے ہر طبقہ اور خیال کی نمائندگی ہے۔ مولانا حفظ الرحمن ایم۔ پی صدر استقبالیہ کمیٹی ہمارے مشہور قوم پرست رہنما ہیں اور جنگ آزادی میں ان کی مجاہدانہ کاوشیں سب پر روشن ہیں۔ جناب گوپی ناتھ امن اردو کے مشہور شاعر اور قومی کارکن استقبالیہ کمیٹی کے جنرل سکریٹری ہیں۔ عہدہ داروں میں بھی ہر سیاسی خیال کی نمائندگی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان حضرات کی کوششوں سے کانفرنس نہایت کامیاب ہوگی اور اس کے بعد دوست دشمن سب پر یہ واضح ہو جائے گا کہ اردو کی تحریک کسی زبان کے خلاف نہیں۔ یہ ہندوستان کی مشترک تہذیب کے تصور کو عام کرنے اور ہندوستانی قوم کی وحدت کو مضبوط کرنے کا ایک نہایت ضروری آلہ ہے۔

بہار یونیورسٹی اور انجمن ترقی اردو ہند

بہار یونیورسٹی کے رجسٹرار کی طرف سے ایک سرکلر نکلا ہے جس میں اساتذہ اور طلبہ کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سیاسی یا مذہبی جماعتوں میں حصہ نہ لیں۔ سیاسی جماعتوں میں کو نمبر ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی اور ملک کی دوسری سیاسی جماعتیں گنائی گئی ہیں جن سے اساتذہ اور طلبہ کو علیحدہ رکھنے کی یہ تلقین کی گئی ہے لیکن اسی پر اکتفا نہ کر کے بہار یونیورسٹی کے قابل عہدے داروں نے مذہبی جماعتوں کی فہرست میں انجمن ترقی اردو ہند کو بھی شامل کر لیا ہے جس سے بچنے کی اساتذہ اور طلبہ کو تاکید ہے۔ ایک یونیورسٹی کے عہدے داروں کے متعلق یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ وہ انجمن ترقی اردو ہند سے اتنے ناواقف ہیں کہ وہ اسے ایک مذہبی جماعت سمجھتے ہیں، لیکن ان کے اس شاہکار سرکلر کے بعد یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ اگر بہار یونیورسٹی اپنے اساتذہ اور طلبہ کو انجمن ترقی اردو ہند کے دام سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے تو اس میں انجمن کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ ہاں بہار یونیورسٹی کی تنگ نظری، ناواقفیت اور آمریت سارے ملک کو معلوم ہو جائے گی اور اس کے بعد اس کا کیا وقار رہے گا اگر یونیورسٹیوں میں جو علم اور روشن خیالی کا گہوارہ ہیں تنگ نظری اور جہالت کا مظاہرہ ہونے لگے تو علم اور روشن خیالی پر کیا گزرے گی۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کنووکیشن

۱۲ دسمبر ۱۹۵۵ء کو ۱۰ بجے سٹوسرکل کی فیلڈ پر ایک شاندار پنڈال میں یونیورسٹی کا کنووکیشن ہوا۔ ڈائس پر جناب نواب صاحب چھتاری پرو چانسلر، جناب کرنل بشیر حسین زیدی وائس چانسلر، جناب سید نور اللہ پرو وائس چانسلر، پروفیسر مجیب اور ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب رجسٹرار تشریف فرما تھے۔

تلاوت کلام پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔ کرنل بشیر حسین صاحب زیدی وائس چانسلر نے ۱۹۵۵ء کی یونیورسٹی رپورٹ پیش کی۔ جس میں سال بھر کی تعلیمی ترقی کا جائزہ لیا گیا تھا اور آئندہ کے منصوبوں کا ذکر تھا۔

وائس چانسلر کی رپورٹ کے بعد ڈگریاں دی گئیں۔ آرٹس کی فیکلٹی سے جناب ارشاد احمد صدیقی کو اکنامکس اور مسٹر ابجانی کو فارسی میں ڈاکٹریٹ عطا کی گئی

سائنس میں ریسرچ کرنے والوں میں مسٹر سید ظل حسن عابدی، نثار احمد خاں اور وصی الحسن کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں دی گئیں۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کی دوسری ڈگریاں ۱۰۰۰ کے قریب طلبہ کو دی گئیں۔ ڈگری لینے والوں کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ڈگریاں تقسیم ہونے کے بعد ۲۰ طالبعلموں کو طلائی تمغے تقسیم کئے گئے۔

اسناد اور انعامات کی تقسیم کے بعد پروفیسر محمد مجیب شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے اپنا خطبہ پڑھا جو سامعین نے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سنا۔ خطبہ علیحدہ دیا جا رہا ہے۔

یوم میر کے لئے وزیر اعلیٰ یوپی کی اپیل

اردو کے ممتاز شاعر واستاد حضرت میر تقی میر کی یاد میں ایک ادبی جشن ۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء کو لکھنؤ میں منایا جا رہا ہے۔ اس یوم کو اس بڑے شاعر کے شایان شان منانے کے لئے سربرآوردہ اہل شہر نے عوام سے اپیل کی ہے۔

اپیل کرنے والوں میں شری سمپورنانند وزیر اعلیٰ یوپی اور شری موہن لال گوتم کے علاوہ پروفیسر احتشام حسین جناب حیات اللہ انصاری، جناب بیگم سید اعزاز رسول جناب محمد رضا انصاری۔ فرنگی محلی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

یہ جشن انجمن ترقی پسند مصنفین کی جانب سے منایا جا رہا*

* ہے اس کے انتظام اور اہتمام میں اردو دوست حضرات خاص دلچسپی لے رہے ہیں۔ امید ہے کہ یہ یوم ہر حیثیت سے کامیاب رہے گا۔

اس ادبی محفل کا افتتاح جناب موہن لال گوتم فرمائیں گے۔ اس سلسلے میں ایک ڈرامہ "میر" بھی کیا جا رہا ہے۔

میر کی زندگی سے متعلق عابد نیاز فتح پوری، پروفیسر مسعود حسن رضوی، ڈاکٹر نریش چندر، حیات اللہ صاحب انصاری اور جناب قیصر تمکین مقالے پڑھیں گے۔ میر تقی میر کو گزرے دو سو برس سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا لیکن اب بھی وہ اقلیم غزل کے تاجدار سمجھے جاتے ہیں اور ان کی استادی وعظمت کا مرتبہ مسلم ہے۔

کل ہند اردو کانفرنس

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ممبر پارلیمنٹ، صدر مجلس استقبالیہ کل ہند اردو کانفرنس نے مندرجہ ذیل بیان جاری فرمایا ہے۔

دہلی پرادیشک ہندی ساہتیہ سمیلن کی کارروائی اخباروں میں پڑھ کر حیرت بھی ہوئی اور انتہائی تکلیف بھی سمیلن کے بعض ذمہ دار مقرروں نے انجمن ترقی اردو کی مجوزہ کل ہند اردو کانفرنس کے متعلق بعض ایسی باتیں کہی ہیں جنھیں کسی طرح معقول نہیں کہا جا سکتا۔

ہر وہ شخص جو ہند کے دستور اور آئین سے باخبر ہے بآسانی اس بات کو سمجھ لے گا کہ اردو کے متعلق یہ مطالبہ کہ دہلی اتر پردیش اور بہار میں اسے علاقائی زبان یا ثانوی سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے بلاشبہ ایک جائز اور آئینی مطالبہ ہے جسے کسی گوشہ سے بھی فرقہ وارانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جب اس حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ملک کی سرکاری زبان ہندی ہے اور اس کو ترقی دینا ہند کے مجموعی مفاد کو تقویت پہنچانا ہے اور اس کے ساتھ اس اصول کو بھی مجموعی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جو زبان کسی علاقے میں ثانوی اعتبار سے خاص مقام اور اہمیت رکھتی ہو اسے علاقائی زبان کی حیثیت دینا ہندی کے وقار اور اس کی آئینی حیثیت کو گھٹانے کی بجائے اسے اور نمایاں کرتا ہے تو پھر کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سوچے سمجھے بغیر یا جان بوجھ کر اردو کے جائز مطالبہ کو دباتے اور پبلک میں غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے اس مطالبہ کو فرقہ وارانہ قرار دے اور اس طرح اپنی تنگ نظری پر پردہ ڈالے۔

اردو کانفرنس کو ملک کے تمام شہریوں کی حمایت حاصل ہے، خواہ وہ ہندو ہوں، مسلمان ہوں، سکھ ہوں یا عیسائی، یہ سب اردو سے ہمدردی اور محبت رکھتے ہیں اور اسے ملک کے باہمی میل ملاپ، پریم اور محبت کا ایک نشان تصور کرتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ اگر ہندی ساہتیہ سمیلن کے ذمہ دار حضرات وسیع النظری کا ثبوت دیں اور خود ہندی کی مقبولیت کے اسباب کو پیش نظر رکھیں تو خود انھیں محسوس ہو گا کہ اردو کانفرنس جن مقاصد کے لئے بلائی جا رہی ہے وہ تائید کے مستحق ہیں۔ ان حضرات کا فرض ہے کہ اردو کو تقویت پہنچانے کی کوشش کریں اور اسے ہندی کا رقیب یا حریف سمجھ کر اس کی مخالفت کے لئے کوئی قدم نہ اٹھائیں۔

معز الدین احمد
برائے سکریٹری، نشر و اشاعت

یوم اردو برہان پور

ریاستی انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش بھوپال کی تشکیل کے بعد برہانپور کی انجمن ترقی اردو کی استدعا پر ریاستی مجلس عاملہ کی پہلی نشست کا جلسہ مورخہ ۲۵ دسمبر ۵۵ء بروز اتوار بوقت ۹ بجے صبح بمقام برہان پور ہو رہا ہے اسی دن سہ پہر میں "یوم اردو" زیر صدارت ڈاکٹر سید محی الدین صاحب زور منایا جائے گا جس میں علی سردار جعفری، جناب ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی جناب پروفیسر شیخ فرید جناب ہادی نقش مہدی و جناب ایم عرفان دیگر معزز مہمان اور مقامی حضرات حصہ لیں گے۔

شب میں ایک آل انڈیا مشاعرہ بھی ہو گا جس میں حضرت گوپی ناتھ امن، جناب روشن صدیقی، حضرت علی سردار جعفری حضرت بسمل شاہجہانپوری، جناب خمار بارہ بنکوی، حضرت شعری بھوپالی حضرت شاداں، حضرت غیث اریبی و دیگر شعراء کرام کو مدعو کیا جا رہا ہے۔

مرزا محمود ساز (سکریٹری انجمن ترقی اردو)

غلطیوں کی تصحیح

ہماری زبان کا یہ وتیرہ ایک حد تک معقول ہے کہ مضمون نگار کے اغلاط کو ناظرین دوسری اشاعت میں منظر عام پر لائیں لیکن میری رائے میں سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ خود فاضل مدیر مضمون نگار کے اغلاط کی تصریح حواشی میں کیا کرے۔

یکم دسمبر ۱۹۵۵ء کے پرچے کے صفحہ ۷ پر تصحیف کاتب یا جناب تمکین کے تسامح کی وجہ سے عماد الدولہ دیلمی اور عضد الدولہ دیلمی کا عہد ۳۵۶ھ بتایا گیا ہے حالانکہ تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ عضد الدولہ دیلمی کا انتقال ۳۷۲ھ میں ہوا تھا اور عماد الدولہ کا اس سے بھی قبل۔ کیا فاضل مضمون نگار نے اس امر پر بھی غور فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ جب ۶۵۶ھ میں بغداد کی خلافت ختم ہو گئی تھی تو پھر ۷۰۰ھ میں دیالمہ کا وجود کیونکر ممکن ہے؟ کیا خوب ہو اگر ہماری زبان کے صفحات ایسے اغلاط سے پاک رہیں۔

محمد عباس غالب صفوی

غالب پر تین اہم کتابیں

۱۔ نقد غالب	مرتبہ مختار الدین آرزو	قیمت	۱/۲	روپے
۲۔ احوال غالب	"	"	۹/-	"
۳۔ محاسن کلام غالب	ڈاکٹر بجنوری	"	۱.۲۵	"

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

مراسلات

لیتھو یا ٹائپ

"ہماری زبان" میں ٹائپ اور لیتھو کی چھپائی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں خود آپ کی انجمن کا جھکاؤ ٹائپ کی طرف ہے۔ اس کے باوجود مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ لیتھو کی چھپائی کے جو فائدے مضمون نگار حضرات نے گنوائے ہیں ان کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ کتابت کی کاپیاں اگر پلیٹوں پر جما لی جائیں تو ان پلیٹوں سے دسیوں ایڈیشن چھاپے جا سکتے ہیں۔ پلیٹیں موجود ہوں تو ہر وقت کتابت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ پلیٹیں بہت سستی مل جاتی ہیں۔ لیتھو کی چھپائی کا یہ اتنا آسان اور سستا طریقہ ہے کہ ٹائپ میں یہ آسانی اور کفایت کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔

لیتھو کی جو آسانیاں اب تک بیان کی گئی ہیں ان میں یہ آسانی اور شامل کر لیجیے۔

(محمد رحیم دہلوی)

المسعودی کی ہزار سالہ برسی

ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ اور انڈین سوسائٹی فار ہسٹری آف سائنس کے زیر اہتمام ۱۸، ۱۹ جنوری ۵۸ء کو دسویں صدی عیسوی کے مشہور عرب مورخ اور جغرافیہ داں ابوالحسن علی بن الحسین المسعودی کی ہزار سالہ برسی علی گڑھ میں منائی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کے علاوہ امریکہ، سوویت یونین، انگلستان، کناڈا، جرمنی، فرانس، پولینڈ، اٹلی، ہالینڈ، ترکی، ایران اور عرب ممالک کے مشہور علما کو شرکت کی دعوت دی جا چکی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی سب سے پہلی کل ہند کانفرنس ۲۰ جنوری کو منعقد ہوگی۔ اس میں ہندوستان کے علوم اسلامیہ اور عربی فارسی اور ترکی زبانوں کی درس و تدریس اور تحقیق و تصنیف اور کتابوں کی اشاعت وغیرہ کے سلسلے میں غور و خوض کیا جائے گا۔ اس میں ہندوستان کی ان تمام جامعات کو مدعو کیا گیا ہے جہاں علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن، سید مقبول احمد (کنوینر)

بزم اہل ادب اجین

بزم اہل ادب اجین کا طرحی مشاعرہ حضرت عبدالصمد تقی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مقامی ۲۵ شعرا نے اپنا کلام پیش کیا۔ اس سے پہلے ایک تعزیتی جلسے میں شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنی کی وفات پر تجویز پیش ہوئی اور فاتحہ خوانی ہوئی۔

ادبی نشست برہان پور

جنتا لائبریری (برہان پور) کے زیر اہتمام پندرہ روزہ ادبی نشست لائبریری ہال میں ۸ دسمبر کو منعقد ہوئی جس کی صدارت حضرت خورشید برہان پوری نے کی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی وفات پر تعزیتی تجویز پیش کی گئی۔

اس کے بعد ادبی نشست کا آغاز کیا گیا جس میں افسانے، انشائیے، غزلیں اور نظمیں پڑھ کر سنائی گئیں اور دوستانہ بحث ہوئی۔

نقل صدیقی، بشیر صاحب، اقبال نصیب، اختر پھلدرہ، عزیز الرحمٰن انصاری، مجیب داس چمن، اختر وارثی، وصال الدین احمد اور دل خلیقی نے حصہ لیا۔

(سکریٹری جنتا لائبریری)

اردو شاعر کی امداد

تاراچند رستوگی صاحب ایم۔ اے۔ اطلاع دیتے ہیں کہ راجستھان کے علاقہ شیخاواٹی کے مشہور ادیب اور غزل گو احمد علی خاں صاحب منصور تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان کے ایک پھیپھڑے کا نصف سے زیادہ حصہ خراب ہو چکا ہے۔ بیکانیر اسپتال میں بیڈ خالی نہ ہونے کی وجہ سے داخل نہیں ہو سکے۔ رستوگی صاحب نے ادب نواز حضرات سے اپیل کی ہے کہ وہ منصور صاحب کو بچانے کے لیے حسب استطاعت مالی امداد کریں۔

چندہ حسب ذیل پتے پر ارسال کیا جا سکتا ہے۔

حکیم یوسف صاحب یوسف۔ جھنجھنوں۔ راجستھان۔

حمایہ کالج میں مشاعرہ

موداہا ضلع ہمیر پور میں حمایہ کالج ہاکی ٹورنامنٹ کے سلسلے میں ایک شاندار مشاعرہ ہوا جس میں علاوہ مقامی شعرا کے بیرونی شعرا نے شرکت فرمائی۔ مندرجہ ذیل حضرات کے کلام کو پسند کیا گیا۔

جناب شارق میرٹھی ایم۔ اے۔ جناب اشک نیازی کانپوری۔ جناب ظہیر مودہوی۔

(محمد مشتاق پرنسپل)

گورکھپور میں تعلیم بالغان کا چوتھا جلسہ

انجمن معارف ادب گورکھپور نے ۲۰ اکتوبر ۵۴ء سے تعلیم بالغان کا کام حیات اللہ انصاری صاحب کے تعلیمی طریقے پر اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک عام جلسہ رحیم بخش صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا اور محلہ نید ٹولہ گورکھپور میں چوتھا مدرسہ تعلیم بالغان قائم کیا گیا۔

انجمن کی خبریں

اجمیر میں مشاعرہ

ساغر اجمیری صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن ترقی اردو اجمیر (راجستھان) کی جانب سے سنبدد دھرم منڈل اسکول میں ایک مشاعرہ جناب جوالا پرشاد شرما چیرمین میونسپل کمیٹی اجمیر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مشاعرے میں ہندو، سکھ عیسائی مسلمان سب شریک تھے۔ صدر مشاعرہ شرما جی نے اردو کی بقا اور تحفظ کے لئے انجمن ترقی اردو کا ہر قدم پر ساتھ دینے کا عہد کیا۔ مشاعرے میں حسب ذیل شعراء نے شرکت کی۔

اوم پرکاش جی دید۔ مولوی اعجاز۔ حسینی لکھنوی حکیم ایڈوکیٹ مولوی اقبال۔ ڈاکٹر جعفری اطہر صدیقی۔ سلیم منہاج منزل۔ شاد فوق۔ نہار۔ علا نجمی کیفی۔ فخری حافظ۔ ساقی جوہری کرشن سلیم۔ جانکی پرشاد ورما طوبیٰ خلیل آزاد۔ انجم مقبول۔ خورشید راہی اجمیری۔ ندر فتح گڑھی۔ مشتاق مرزاپوری۔ ذکیا مراد آبادی۔ مخمور نصیر آبادی۔ شام نصیر آبادی۔ خلوت گلشن گڑھی۔ افق سنگر ولی۔ مولانا کوثر۔

غزل

سنزلیں گرد ہوئی جاتی ہیں اکثر ہم سے
بدگماں راہ میں ہونے لگا رہبر ہم سے

چھین سکتا نہیں کوئی یہ مقدر ہم سے
ہم ہیں میخانے سے اور گردش ساغر ہم سے

ان نگاہوں سے دبی چوٹ ابھر آتی ہے
بات اب کیجئے عنوان بدل کر ہم سے

حسن کی ایک جھلک نے ہمیں حیرت بخشی
آئینہ مانگ کے لے جائے سکندر ہم سے

پھونک دی ہم نے نئی حسن کی روداد میں روح
قرض لے جاتے ہیں الفاظ سخن ور ہم سے

دور آفاق کا مرکز ہیں بہت بے بس ہیں
ٹھہر سکتا نہیں پرکار کا چکر ہم سے

آج معلوم ہوئی ہم کو جنوں کی توقیر
تم ملے سرحد ادراک کے باہر ہم سے

گردش شام و سحر سے ہے محفوظ سلام
ہم نہ "ساگر" سے چھٹے اور نہ ساگر ہم سے

(ابوالانوار) سلام ساگری

مدھیہ پردیش میں انجمن کی جدید شاخیں قائم کرنے کی مہم

جبل پور ۱۰ دسمبر ۸۲ (بذریعہ ڈاک) مسٹر عبدالباقی ایم اے نائب صدر مدھیہ پردیش ریاستی انجمن و جنرل سکریٹری جبل پور شاخ نے مسٹر ایم عرفان جنرل سکریٹری ریاستی انجمن کو مطلع کیا ہے کہ وہ ریوا اور جبل پور کے اضلاع مثلاً سیدھی۔ منڈلہ۔ کٹنی بستر بتا۔ اور نرسنگھ پور میں انجمن ترقی اردو کی شاخیں قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ریاستی انجمن کی جانب سے ان کو فارم، درخواست الحاق شاخ اور قواعد وغیرہ ارسال کر دیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ جنوری ۸۳ تک مدھیہ پردیش میں انجمن کی شاخوں کی تعداد ۵۵ - ۶۰ سے تجاوز کر جائے گی۔

انجمن بھوپال سٹی کی مجلس انتظامیہ

صدر:۔ جناب محمد اسماعیل صاحب رمزی ترمذی وکیل

نائب صدر:۔ مسٹر عبدالسلام صدیقی سابق ڈائرکٹر و سکریٹری تعلیمات۔ حضرت عظمت اللہ خاں عظمت بھوپالی۔ حضرت گوہر جلالی

جنرل سکریٹری:۔ پروفیسر جمال محمد چغتائی ایم اے۔

سکریٹری:۔ مسٹر قمر جمالی ایڈیٹر بھوپال ٹائمز

جوائنٹ سکریٹری:۔ مسٹر سید احمد علی عابد۔ مسٹر سری کرشن پریمی۔ مسٹر عشرت قادری

خازن۔ مسٹر سید اقتدار علی صاحب ٹھیکیدار

دیگر اراکین مجلس انتظامیہ

مسٹر کے ایس پردھان۔ مسٹر اشتیاق عارف۔ مسٹر سید اصغر کمال۔ مسٹر محمود الحسینی۔ الحاج عیسیٰ بھائی۔ پروفیسر وحیدی انیق۔ پروفیسر مسعود صدیقی۔ مسٹر سید عبدالخبیر وکیل۔ مسٹر درگا پرشاد شاد۔ مفتی محمد جنید صدیقی اور مسٹر انجم سلمانی۔

انجمن شاخ سیہور کی مجلس انتظامیہ

صدر:۔ خواجہ محی الدین صاحب شوق۔ نائب صدر:۔ مسٹر اختر حسین جنرل سکریٹری۔ جناب فاروق صاحب عندلیب۔ سکریٹری جناب اصغر تاج صاحب۔

دیگر اراکین انتظامیہ :۔ جناب ڈیس گوڈش صاحب ۔ جناب یعقوب صاحب سلیم ۔ بابو شرافت اللہ صاحب ۔ جناب امیر احمد صاحب سردار مقدس محمد خاں صاحب ۔ حکیم حسین صاحب ۔ جناب محمد ابراہیم صاحب ۔ جناب بشیر بیگ صاحب جناب سعید مطرب صاحب ۔ جناب عبدالرحمن صاحب ۔ ڈاکٹر مقصود صاحب ۔

اجمیر کی شاخ انجمن ترقی اردو

مارچ ۵۰ء میں ۵ کل راجستھان اردو کنونشن ، جے پور میں منعقد ہوا ۔ اور ریاستی انجمن کی تشکیل ہو کر مقامی شاخوں نے اس سے الحاق کر لیا ۔ کچھ روز بعد ہی ریاست اجمیر ریاست راجستھان میں مدغم ہو گئی مگر اجمیر سے کسی انجمن ترقی اردو کا نہ اخبارات میں کوئی ذکر آیا نہ ریاستی انجمن سے کوئی خط و کتابت ہوئی ۔ ۷ ۔ فروری ۵۷ء تک طویل انتظار کے بعد میں نے علی گڑھ سے مولانا فضائی صاحب کو ایک مفصل خط لکھا جس میں یہ جملہ بھی ہے ۔

" یہاں یہ معلوم کر کے مجھے حیرت ہوئی کہ اجمیر کی انجمن ترقی اردو کا الحاق آج تک مرکزی انجمن سے نہیں ہوا کیا انجمن اجمیر ۔ راجستھانی انجمن ترقی اردو سے الحاق پسند کرے گی"

اس خط کا کوئی جواب نہ ملنے پر ۰ مارچ ۵۷ء کو میں نے جے پور سے انہیں پھر ایک مفصل خط لکھا تو اس کے جواب میں مولانا نے مجھے مفصل جواب دیتے ہوئے لکھا کہ

" اختتام مارچ تک نئی ممبر سازی اور شاخ کا احیاء ممکن نہیں ۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انجمن ترقی اردو اجمیر جس شکل میں بھی تھی وہ مر چکی تب ہی احیاء کا لفظ استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی ۔

اس احیاء کا انتظار آخر مارچ سے گزر کر وسط اگست ۵۷ء تک کیا گیا مگر کوئی اطلاع کسی قسم کی نہ ملی البتہ ۱۲ اگست ۵۷ء کو چند اردو دوست اصحاب اجمیر نے ایک انجمن ترقی اردو کی تشکیل کرنے کے بعد ریاستی انجمن سے الحاق کی درخواست کی مگر یہ منظوری فوری نہیں دی گئی بلکہ مرکزی انجمن کو لکھ کر دریافت کیا گیا کہ وہاں کوئی شاخ پہلے سے ہے یا نہیں ؟ اس کے جواب میں مرکزی انجمن سے جواب تاریخی ۹ وصول ہوا کہ " اجمیر میں کوئی ملحقہ شاخ موجود نہیں ہے ۔

اس دوران میں چشتیہ لائبریری میں ۵ ۔ اگست ۱۹۵۷ء کو یوم اردو منایا گیا جس کے مندرجہ ذیل جاری کنندہ کے نام یہ ہیں ۔ (مولانا) محمد حبیب اللہ فضائی رکن عاملہ ، سید صولت حسین کنوینر مجلس قائمہ انجمن ترقی اردو اجمیر ، چشتیہ لائبریری ۔ حویلی دیوان صاحب درگاہ اجمیر ۔

حالانکہ مرکزی انجمن ترقی اردو نے یوم اردو کے متعلق جو ہدایت جاری کی تھی اس کا پہلا نمبر یہ ہے ۔"

(۱) "یوم اردو" صرف انجمن کی شاخ کے زیر اہتمام منایا جائے ۔"

اس ہدایت کی کوئی تعمیل نہ ہوئی ۔ ان تمام حالات کی روشنی میں جناب خود غور فرمائیں کہ ایک چہ بوالعجبی ست

فضائی صاحب اجمیر کی شاخ کو مردہ تسلیم کر رہے ہیں جس کا مرکز سے الحاق بھی نہ تھا ۔ اور دوسری طرف بیک جنبش قلم خود کو رکن عاملہ رقم فرما رہے ہیں ۔ سکریٹری کا کوئی ذکر ہی نہیں جس کا یہ فرض ہونا چاہئے تھا ۔

الحاصل جب کامل طور پر یہ تحقیق ہو چکا کہ اجمیر میں فی الواقع کوئی شاخ انجمن نہیں ہے تو مذکور الصدر جدید شاخ کا الحاق منظور کیا گیا جس کے صدر جناب اوم پرکاش وید ہیں اور سکریٹری محمد یوسف صاحب ساغر اجمیری ۔ اب آپ ہی غور فرمائیں کہ مسلمہ مردہ انجمن کو جس کا عدم الحاق بھی مرکز سے مسلم ہے ۔ زندہ و ملحقہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے اور اس سے زیادہ اور تحقیق و تدقیق کیا کی جا سکتی تھی غالباً اب معروضہ غلطی کو کانوں سمجھنے پر توجہ فرمائے گا ۔

اردو دوست اصحاب کو اس مسلمہ ملحقہ شاخ میں مذکور الصدر واقعات کی روشنی میں شرکت کرنا چاہئے ۔

مخلص ، احترام الدین احمد شاغل
جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان جے پور

شاخ مسلم یونیورسٹی

انجمن کی شاخ یونیورسٹی کی ایک ہنگامی نشست بتاریخ ۱۰ دسمبر ۵۶ء زیر صدارت جناب شجاع الرحمن صاحب شروانی ہوئی ۔ مندرجہ ذیل حضرات کو خالی جگہوں پر عارضی طور پر نامزد کیا گیا ۔

شبیر حسن سلیریا نائب صدر
اختر علی صدیقی نائب معتمد

ممبران مجلس منتظمہ :۔ جمیل الرحمن ۔ غلام نبی دانی ۔ انوار احمد ، سید احمد طارق ، عشرت حسین ، انیس احمد ، ارتضیٰ حسن ، مفتی محمد طاہر ، بال کرشن شرما ، عبدالرشید ، علی اسلم ، نبراس احمد خاں ، ظہیر الحسن قادری ، مجیب الرحمن ، فضل احمد صدیقی ،

آزاد قاسمی معتمد اعزازی

اردو دنیا

سمپورنانندجی بہ حیثیت اردو شاعر

مسٹر اے این پسو

میر یوڈو آف ریونیو کے مکان پر ایک طرحی مشاعرہ ۱۵ دسمبر کو زیرِ صدارت جناب مجنوں گورکھپوری ہوا جس میں وزیرِ اعلیٰ یوپی مسٹر سمپورنانند بھی بہ حیثیت اردو شاعر شریک ہو کر غزل سرا ہوئے۔ مشاعرے میں علاوہ اور شاعروں کے آنند نرائن ملا، جعفر علی خاں اثر، مجنوں گورکھپوری، حبیب احمد صدیقی اور الیس۔ این سنہا بھی شریک تھے۔ سامعین میں خواتین کی معقول تعداد کے علاوہ حافظ محمد ابراہیم وزیر مالیات جناب اے۔ این جھا چیف سکریٹری یوپی۔ ظہور الحسن صاحب سکریٹری محکمہ مال۔ سید صدیق حسن صاحب کمشنر اور ڈاکٹر عبدالحمید بھی تھے۔ مشاعرے کا آغاز ۱/۲ ۱ بجے دن میں ہوا اور ۱/۲ ۴ بجے محفل برخاست ہوئی۔

شعرائے کرام نے حاضرین سے خوب داد حاصل کی۔ غزل گو شعراء کے اشتراک نے مشاعرے کی رونق اور دوبالا کر دی۔ سب سے آخر میں وزیرِ اعلیٰ یوپی حضرت آنند نے اپنی غزل سنائی جس کے اشعار نیچے درج کئے جاتے ہیں۔

ہمہ، ہمہ، عبادت دھیان	دل کے گڑھ کر ہزار افسانے
رازِ وحدت سے خود تو ناواقف	واعظ آیا ہے ہم کو سمجھانے
فیض ہر سو ہے موجزن لیکن	ہم کو مارا ہے خوفِ جنتی نے
یہ آنندآب تو پیتے ہیں	"عاقبت کی خبر خدا جانے"

سالانہ جلسہ انٹر کالج نہٹور

کرنل سید بشیر حسین صاحب زیدی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مولوی حبیب الرحمن صاحب شیروانی کے ساتھ سالانہ جلسہ میں شرکت کی غرض سے ایم این اے انٹر کالج قصبہ نہٹور ضلع بجنور ۱۰ نومبر ۵۷ء کو تشریف لے گئے۔ نواب رحمت اللہ خاں صاحب رئیس بھیکم پور راجہ محمد حسن خاں صاحب رئیس اصغرآباد۔ مختار احمد صاحب رئیس دان پور و سید عنایت حسین صاحب کاظمی نائب صدر ضلع کانگریس علی گڑھ بھی اس جلسے میں شرکت کرنے کے لئے علی گڑھ سے تشریف لائے۔ وائس چانسلر صاحب نے ادارہ کے اہم مسائل کا جائزہ لیا۔ اور کارکنان کالج کو اپنے قیمتی مشورے سے مستفیض کیا۔

جلسہ ۱۱ بجے دن سے ایک بجے تک ہوا۔ کالج کی طرف سے پیش کردہ سپاس نامہ کے جواب میں وائس چانسلر صاحب نے نہایت بصیرت افروز تقریر کی۔ سید نثار حیدر صاحب زیدی ڈپٹی کلکٹر پنشنر رئیس قصبہ نہٹور جو کالج کے منیجر بلکہ روحِ رواں ہیں۔ وائس چانسلر صاحب کے اعزاز میں اپنی دو نظمیں اردو اور فارسی زبان میں پڑھیں۔ ہر دو نظمیں جلسے میں بہت پسند کی گئیں۔

اردو کی تعریف

حضرت مخدوم آہی کے عرس کے موقع پر ایک آل آندھرا اردو مشاعرہ ۸۔ دسمبر کو ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر بی گوپال ریڈی وزیر مالیات آندھرا پردیش نے کی۔

وزیر موصوف نے اردو زبان سے متعلق ایک فاضلانہ تقریر کی اور اسے ہندوستانی، ایرانی، عربی اور انگریزی خصوصیات کا حامل قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو یقینی ہندوستان کی زبان ہے کیونکہ یہ اسی دیس میں پیدا ہوئی اور یہیں پروان چڑھی۔ اس کی رنگا رنگ بوقلمونی ہمارے وطن کی ثقافت اور تہذیب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اس لحاظ سے ہمیں اس کی اور بھی قدر کرنی چاہیے۔

احسان دانش فلمی دنیا میں

بمبئی کے ہفتہ وار اخبار فن کار کی اطلاع ہے کہ اردو کے مشہور شاعر حضرت احسان دانش بھی فلمی دنیا میں داخل ہو گئے ہیں پاکستانی فلم ساز شباب کیرانوی کی تیار کردہ فلم دو راہا کے گیت لکھنے کے لئے ان کی خدمات حاصل کی گئیں ہیں۔

بقیہ خطبۂ تقسیم اسناد

سکتی ہیں۔ اس وقت جب کہ ایم اے او کالج قائم ہوا مسلمانوں کی کوئی تعلیم گاہ دین سے بے تعلق ہونے کا اعلان نہیں کر سکتی تھی۔ مگر ایم اے او کالج کے بانی کے سوا کسی نے نئی زبان میں دینی تصورات کو بیان کرنے کا بھی حوصلہ نہیں کیا۔ کسی نے اس کی آرزو نہیں کی کہ دین اور علم کے درمیان فصل کے بجائے وصل ہو۔ ہندو اور مسلمان اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے فرقے اپنی اپنی دینیات پڑھاتے رہے۔ اپنے اپنے طور پر ان رشتوں کو توڑتے رہتے جو ایک نسل کو دوسری سے ایک آدمی کو دوسرے آدمی سے دین کے منشاء کے مطابق ملاتے ہیں۔ ان رشتوں کو قائم رکھنے کے لئے خالی علم جس قدر کام آسکتا ہے اور کام آیا ہے وہ آپ خود محسوس کرتے ہوں گے۔ اور باتوں کو چھوڑیئے علم اب اتنے حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور یہ حصے ایک دوسرے سے اس طرح الگ ہو گئے ہیں کہ وہ رہنمائی کرنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ وہ اب صرف انسان کو اپنا غلام بنا کر اس کی محنت سے اپنے سرمائے کو بڑھا سکتا ہے۔ وہی سائنس جس سے سرسید احمد خاں متاثر ہوئے تھے اور جس کی امکانی دشمنی کے خطرے کو دور کرنے کے لئے وہ اسے دین سے ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہزار نعمتیں لائی ہے تو نوع انسان کی بقا کے لئے ایک خطرہ بن گئی ہے۔ ظاہر ہے کوئی ایک یونیورسٹی یا بہت سی یونیورسٹیاں مل کر بھی دنیا کے ذہنی روگوں کا علاج یا بین اقوامی تعلقات کی درستی نہیں کر سکتی ہیں۔ لیکن جیسے کاشتکار اپنے کھیت میں بیج بوتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا میں کتنے پیٹ بھرتے ہیں، علمی کام کرنے والے یہ سوچ کر اپنے کام میں لگ سکتے ہیں کہ

علم را بر دل زنی یارے بود

اور ان کا جذبہ سچا ہوگا تو ان کا کام خود ہی اپنا مقام پیدا کرے گا۔

دینیات سے متعلق وہ مسائل بھی ہیں جو اس وجہ سے پیدا ہوئے کہ مذہبوں کے نمائندے مذہب سے پوری طرح واقف نہ تھے، سائنس داں بھول گئے تھے کہ خود ان کا طریقہ آخری اور قطعی بات کہنے کی اجازت نہیں دیتا، اور کسی میں اتنا صبر اور تحمل اور مردم دوستی نہیں تھی کہ دوسرے کی بات غور سے سنے اور سمجھنے کی کوشش کرے۔ صبر اور تحمل اور مردم دوستی کی صفتیں آج کل بھی کمیاب ہیں۔ مگر وقت کے ساتھ لڑنے والوں کی جلد بازی کم ہو چلی جاتی ہے۔ اب مذہب اور سائنس اور علم کے نمائندے ایک دوسرے کے خلوص پر اعتبار کرنے کو تیار ہیں۔ اب اس کا وقت آگیا ہے کہ ہم عقیدے اور علم دونوں کا مقام طے کریں۔ دونوں کے طریقوں کے اختلاف کو سمجھ کر ان میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ ایک قسم کی استعداد رکھنے والی طبیعت کسی دوسری کے لئے رکاوٹ نہ بنے۔ وہ آزادی جسے ہم علمی اور تعلیمی آزادی کہتے ہیں شوق کو ابھارنے اور اس میں پختگی پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ ہم ہر اختلاف کو ایک وجۂ مخالفت کو کمزوری کی دلیل سمجھیں۔ ان نفسیاتی مجبوریوں کو پہچان لیں جو انسان کو اختلاف پر آمادہ کرتی ہیں۔ ان راستوں کے پیچ و خم کو ہر وقت ذہن میں رکھیں جو اتفاق اور اختلاف کرنے والوں کو ایک دوسرے کے اس طرح قریب لاتے ہیں اور دور لے جاتے ہیں کہ کسی کے اصل رخ کو معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

تصورات کے بعض اختلافات ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر دیر میں محسوس ہوتا ہے۔ بعض فوراً ظاہر ہو جاتے ہیں، اور بہت فساد پیدا کر سکتے ہیں اگر کوئی ایسا ذریعہ نہ ہو کہ ہر فریق کا اصل مطلب سمجھایا جا سکے اور اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جا سکے۔ ہمارے ملک میں مذہب سیاسی اختلافات کی لپیٹ میں آچکا ہے اور سیاست نے مذہب کا اس کامیابی سے بھیس بنایا ہے کہ اب تک اس کے چہرے سے مذہب کا رنگ چھڑایا نہیں جا سکا ہے۔ اب یہ ہر طرف محسوس ہو رہا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم نے صرف جائداد اور پرمٹ کے مسئلے پیدا کئے ہیں۔ کسی معاملے کو انتظامی یا علمی اعتبار سے طے نہیں کیا ہے۔ ہم پہلے غور کرتے تو شاید یہ بات واضح ہو جاتی کہ مذہب اور سیاست کے مقاصد میں ہم آہنگی لازمی سہی مگر ان کی فطرت ان کی ماہیت الگ ہے۔ یہ کائنات کا نظام ہے تو وہ زندگی کا معمول، یہ حیات کا قانون ہے تو وہ روزگار کا ذریعہ، یہ آنکھوں کا نور ہے تو وہ ہاتھوں کا ہنر۔ اسی سلسلے میں ہم کو اس کا بھی یقین ہو جاتا کہ سیاست کا کوئی مذہب نہیں ہونا چاہئے اور مذہب کی کوئی سیاست نہیں ہونی چاہئے اور وہی ریاست جو خود غیر مذہبی ہو مذہب اور سیاست میں صحیح قسم کا تعاون پیدا کر سکتی ہے۔ حکومت عالی شان مندر اور مسجد اور کلیسا بنا سکتی ہے، مذہبی لوگوں کو عزت اور عہدے دے سکتی ہے مگر اسے مذہبی حیثیت دی گئی تو یہ ناممکن ہے کہ وہ مذہبی قدروں کو اپنا آلۂ کار نہ بنائے۔ مذہب حکومت کو اعلیٰ اخلاقی اصولوں کا پابند کر سکتا ہے، اس کے دل میں صفائی

اس کے عمل میں نیکی اور مردم دوستی پیدا کر سکتا ہے مگر سیاسی اقتدار کا نشہ مذہب کے لئے بہت برا ہوتا ہے اس لئے کہ وہ دلکشی کے کام دعاؤں سے اور دعاؤں کے کام لاٹھی سے لینا شروع کر دیتا ہے۔ ہماری سب کی کوشش ہونا چاہئے کہ ریاست کا غیر مذہبی رنگ قائم رہے تاکہ ہمارے مذہبوں اور ہماری ریاست کے الگ الگ رنگ نکھر سکیں اور سب کا مجموعہ زندگی کی حسین تصویر ہو۔

مگر ایسی علمی بحثوں کی وجہ سے ہماری آپ کی کوئی ذمہ داری کم یا محدود نہیں ہوتی اور ان کا فیصلہ ہونے تک ملک اور قوم نے کسی حق کو ادا کرنا ملتوی نہیں کیا ہے۔ حق شہریت غیر مشروط ہوتی ہے اور ہمارا غیر مشروط رہتی ہے۔ آپ اپنے غور و فکر کو اس مفروضے سے یوں کسے کہ اس مقام سے شروع کریں تو آپ کے پاؤں زمین پر جمے رہیں گے۔ آپ کے خیال اور عمل کو راستہ ڈھونڈنے کو، اور وہ ایک دوسرے کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

آپ کا یہ حق ہے کہ آزادی سے رائے دیں اچھے کو اچھا اور برے کو برا کہیں۔ جھاڑو پونچھ ہر گھر میں کی جاتی ہے اور اس کام کو زیادہ خوبی سے وہ انجام دے سکتے ہیں جن کی بہت جوان ہو، ہاتھ پاؤں مضبوط ہوں اور نظر تیز ہو البتہ اس کا خیال ضرور رہنا چاہیے کہ صفائی کے شوق میں نفیس اور نازک چیزیں توڑ نہ دی جائیں۔ جھاڑو ہر وقت گرد نہ اڑاتی رہے۔ گھر کی صورت نہ بگڑ جائے۔ اپنے ملک میں، اپنی سماج میں اپنے خاص ماحول میں صفائی ضرور کیجئے مگر وقت سے اور سلیقے سے کیجئے پھوہڑپن ہر حال ایک عیب ہے اور صفائی کی خاطر بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

سلیقے سے کام کرنے کا مطلب ہے کام کا حق ادا کرنا آپ کے لئے شاید سورماؤں کے حوصلے دل میں رکھنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ آپ روزمرہ چھوٹے چھوٹے کاموں کی طرف توجہ کریں اور دیکھتے رہیں کہ آپ نے انھیں کس خوبی یا خرابی کے ساتھ انجام دیا ہے دراصل یہی چھوٹے چھوٹے کام آدمی کی شخصیت کو ایک شکل دیتے ہیں اس شکل میں حسن پیدا کرتے ہیں انھیں کی بدولت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے نام کی وجہ سے نہیں اپنے کام کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے اس کا ضمیر اس درجہ بیدار ہو جاتا ہے کہ اپنے کسی حکم کو ٹالنے نہیں دیتا جب ضمیر کا حکم چلنے لگتا ہے تو چھوٹے اور بڑے، ادنیٰ اور اعلیٰ کام میں فرق نہیں کیا جاتا، سب ایک معیار کے مطابق محنت اور سلیقے سے کئے جاتے ہیں اور سب اس سر کو اونچا کرتے ہیں جو ان کے سامنے جھکا تھا۔ یہی ہے آدمی اور کام کی دوستی، جو ایک دفعہ پیدا ہو جائے تو پھر بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ آدمی اور آدمیت کی دوستی اور آدمی اور خدا کی دوستی بن جاتی ہے۔ ہمارے کام ہی تو ہیں جو ہمیں ایک دوسرے کو پہچاننے کا موقع دیتے ہیں۔ ہماری زندگیوں کو ایک مضبوط رشتے سے جوڑ دیتے ہیں اور ہماری کارگزاری کو تخلیق کے ابدی سلسلے کا حصہ بنا دیتے ہیں۔

میں نے ابھی کہا تھا کہ شہریت غیر مشروط ہوتی ہے اب کہہ رہا ہوں کہ کام سے دوستی کیجئے۔ آپ کو خیال ہوگا کہ میں آپ کو تلقین کر رہا ہوں کہ کام میں لگے رہئے نفع نقصان کا خیال نہ کیجئے۔ دینے والے بنئے، لینے والے نہ بنئے۔ اگر میری باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہو تو آپ اس سے گھبرائیں کیوں؟ آپ نے بہت سے گڑھے دیکھے ہوں گے جو اپنے ماحول کی پستی کا اور اپنے ناقص ہونے کا اعلان کرتے ہیں گویا بھیک مانگنے کے پیالے ہیں جن کو برسات کا پانی آس پاس کے نالے بھرا کرتے ہیں، ان میں پانی رہتا ہے مگر کس ذلت سے، آدمی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر کس کراہت کے ساتھ۔ پانی ان چشموں میں بھی ہوتا ہے جو پہاڑی کے سینے سے پھوٹ نکلتے ہیں، اور ان کی کیا شان، کیا عزت ہوتی ہے۔ آدمی ان کے احسان اٹھا کر خوش ہوتے ہیں ان پر ناز کرتے ہیں، ان کی دریادلی کو اپنے بے مثال مانتے ہیں۔ سوداگری کی نظر سے دیکھئے تو تالاب لینے والوں میں، چشمہ دینے والوں میں ہے، تالاب اپنا مال سمیٹ کر رکھتا ہے چشمہ اپنا مال لٹاتا ہے آپ کو ان دونوں صورتوں میں سے جو پسند ہو اسے اختیار کیجئے۔ انجام بہرحال ایک ہے چشمہ کا پانی بہتا رہتا ہے، تالاب کا سوکھتا رہتا ہے۔

میں یہ ہرگز نہیں کہتا کہ دینے والے نقصان نہیں اٹھاتے آپ نے پہاڑی چشمے کا انداز اختیار کیا تو تنگ داموں کے نعرے آپ کے سروں سے سر ملاتے رہیں گے آپ دوسروں کی تعریف میں اپنے حسن ہی کی جھلک دیکھیں گے آپ کے صاف شفاف پانی کو گندا کرنے والے نہ ہوں گے۔ چشمے کی شان اور عزت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جو سکون کی آرزو کو دل سے نکال دے جو اس کے لئے تیار ہو کہ لوگ اس کے نفعے کو بوری سمجھیں، جسے دکھ نہ ہو اگر اس کے فیض سے میں نے فائدے اٹھائے ہیں اس عالم مثال میں صرف یہ ایک مثال نہیں ہے۔ نفع نقصان کی بات سمجھانے والوں میں ایسے بھی

ہیں جو کہتے ہیں کہ جنگل میں کھلے رہنا بہتر ہے چاہے کوئی کانٹا ہی کیوں نہ چبھ جائے، اس میں گستاخی — ہے مگر سلامتی بھی ہے پھول بن کر نظروں کو لبھانا، کسی کے تن کی زینت بننے کے لئے شاخ سے جدائی گوارا کرنا حماقت ہے آپ نے کانٹے بھی دیکھے ہوں گے پھول بھی دیکھے ہوں گے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ کانٹا کیسے کانٹا بنتا ہے، پھول کس طرح کھلتے ہیں۔ فائدے اور نقصان دونوں طرح کے ہیں، آپ کو اختیار ہے کہ جو چاہیں بنیں۔ بس اتنا یاد رکھئے کہ کانٹا چبھ کر بتا دے کہ وہ کیا ہے تب بھی پھول کو اپنی آبرو کا خیال رہتا ہے۔ وہ کھلتا ہے اس کے زبان نہیں ہوتی۔

اگر آپ نے کرنے کو سودا نہ کریں گے، ہندوستانی شہریت کی ذمہ داریوں کو بغیر کسی شرط کے قبول کریں گے تو آپ کے لئے ہندوستان سے بہتر کوئی ملک نہیں ہے۔ یہاں کی وسعت کو دیکھئے، آبادی کو دیکھئے۔ اس غریبی، اس جہالت، اس قدامت پرستی اور تعصب کو دیکھئے جو رفتار کے ہر کام کو مشکل بنا دیتا ہے تو آپ کے دل پر وہ چوٹیں لگیں گی جو مردوں کے دلوں کو کہیں اور نصیب نہیں ہوتی ہیں۔ یہاں راستے کی دشواریوں اور منزل کی دوری کو دیکھئے تو آپ کے ایمان اور آپ کے صبر کی وہ آزمائش ہوگی جو اور کہیں نہیں ہو سکتی، اور کہیں بھی حال کی ناکامیوں سے اس طرح مستقبل کی کامیابیوں کا یقین پیدا نہیں کیا جا سکتا اور کہیں بھی توفیق دل کو درد آشنا بنانے کا ایسا تعلق حکم نہیں دیتی اور کہیں بھی عشق کی بات اس طرح دہرانے میں نہیں کہی جاتی۔ آپ شہریت کا حق دل و جان سے ادا کرنا چاہتے ہوں تو دوسروں کے پاس دوڑ دوڑ کر نہ جائیے، رہنما تلاش نہ کیجئے موتی سیپ کے اندر رہ کر بڑھتا ہے، آپ پاتے ہے موتی بننے کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ تسلی اور تسکین کی باتوں سے فریب نہ کھائیے، اپنا خیر خواہ اسی کو سمجھئے جو آپ کے لئے دعا کرے کہ آپ کے کندھے بوجھ اٹھا اٹھا کر مضبوط ہوں، آپ کے پاؤں میں طاقت تھکنے سے پیدا ہو، آپ کا دل مصیبت کی آنچوں میں سونا بنے۔

میں نے بات شروع کی تھی مسلم یونیورسٹی کے منصب سے، اپنے خیال میں میں اسی کا ذکر کرتا رہا ہوں اور میں سمجھوں گا کہ جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا وہ آپ تک پہنچ گیا ہے۔ اگر آپ کے دل میں شوق پیدا ہو جائے کہ دین کی اور دنیا کی، علم کی اور اخلاق کی، سیاست کی اور جمالیات کی حدود کو ملا دیں۔ مسلم یونیورسٹی کے منصب کی اور تفصیل میری زبان نہیں آپ کی زندگی ہی بیان کر سکتی ہے خدا آپ کو ایسی زندگی دے جس میں دین اور علم، اخلاق، آدمیت اور ہندوستان کی شہریت کی شان نظر آئے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

کھلتی کلیاں:۔ مصنف:۔ زاہد ابوالمجاہد
ناشر:۔ ہونہار کتاب گھر، دہلی ۶۔ جم ۲۰×۳۰/۱۶
صفحات ۴۴، کاغذ اچھا قیمت چار آنے

اسلام اور الدمہیمہ مترجم:۔ میلیح اللہ الاعلاقی
ناشر:۔ سنگم کتاب گھر اردو بازار دہلی جم ۲۰×۳۰/۱۶
کاغذ معمولی صفحات ۶۷ قیمت ایک روپیہ

لکھنؤ اور جنگ آزادی مرتبہ ادبی اکیڈیمی۔ لکھنؤ
ناشر:۔ ادبی اکیڈیمی۔ لکھنؤ جم ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۳۶
کاغذ عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ ۸ آنے

بزم داغ:۔ مرتبہ۔ سید رفیق مارہروی
ناشر:۔ نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ جم ۲۰×۳۰/۱۶
صفحات ۲۵۰، کاغذ اچھا قیمت تین روپے چار آنے۔

زبان داغ:۔ مرتبہ۔ سید رفیق مارہروی
ناشر:۔ نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ جم ۲۰×۳۰/۱۶
صفحات ۲۹۱، کاغذ اچھا قیمت تین روپے آٹھ آنے۔

تذکرہ نادر:۔ مصنف نادر، میرزا کلب حسین خاں
مرتبہ مسعود حسین رضوی۔ ناشر:۔ کتاب نگر
دین دیال روڈ لکھنؤ۔ جم ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۹۸
کاغذ اچھا۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

نقوش (ماہنامہ) کا مکاتیب نمبر (دو جلدوں میں)
مرتبہ:۔ محمد طفیل ناشر:۔ ادارہ فروغ اردو۔ لاہور
کاغذ اچھا جم ۲۰×۳۰/۸ قیمت دس روپے

سعیدہ کے خطوط مصنف۔ ظفر حسین خاں
ناشر:۔ کتاب نگر۔ دین دیال روڈ لکھنؤ
جم ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۳۸، کاغذ اچھا، قیمت ایک

تنقیدی شعور مصنف۔ اختر، سید اختر علی تلہری
ناشر:۔ کتاب نگر دین دیال روڈ لکھنؤ جم ۲۰×۳۰/۱۶
صفحات ۲۰۸، کاغذ اچھا قیمت ۲/۱۲ روپے

نکات مجنوں:۔ مصنف مجنوں، احمد صدیقی گورکھپوری
ناشر:۔ کتابستان۔ الہ آباد
جم ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۳۲۸ کاغذ عمدہ
قیمت پانچ روپے

(ڈاکٹر ... پرنٹر پبلشر نے ... پریس علی گڑھ میں چھپوا کر دفتر انجمن ... سے شائع کیا)